بیان الحکمہ
تحقیقی مجلہ۔6
http://bayan-ul-hikmah.salu.edu.pk

بیان الحکمہ [تحقیقی مجلّہ]
(2020ء)

Modern formation of Theology

*Dr. Muhammad Arshad
**Dr. Syed Muqeel Hussain

ABSTRACT: Islam is a religion of nature. Its basic principles are sound and everlasting. New problems can be solved by Ijtehad. Ijtehad depicts the living nature of Islam. It is true that without the institution of Ijtehad the whole spirit of Islam will resemble a stagnant pool of water. But it should be noted that 'Aqa'id (basic beliefs) does not come in the sphere of Ijtehad. 'Aqa'id can be presented in a new way.

It is necessary to describe the system of the univers, the nervous system of man, the phases of human creation, concept of the vastness of the world in a scientific way. The mention of surface tension, gravity, revolving of cosmic bodies prove that the Holy Quran is the divine book. The Audio visual aids and mobile phones are helpful to understand the concept of Wahi (revelation) understanding the concept.

The return of "Ruh" spirit to heaven can also be understood by modern inventions. Audio, video C.D's, D.V. D's, USP. Flash, are the source to understand the record of sins and good deeds of all human beings. We can have a new system of studying heavenly facts in the light of the Holy Quran and Sunnah. This new presentation can be called "the reconstruction of religious thought".

Keywords: Elam-e-Kalam, Rouh, Akhrat, Barzkh, Wahi, Meezan

* Associate Professor, Govt. Post Graudate College, Shakar Ghardh
** Lecturer, University of Science and Technology, Kohat.

علمِ کلام کی تشکیل جدید

اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام کے بنیادی اصول وضوابط مستقل اور دائمی ہیں۔ نئے حوادث اور واقعات کے رونما ہونے پر ان اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے حل کو اجتہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ اجتہادی انداز اسلام کا حسن ہے۔ اگر اجتہاد کا تصور کتاب وسنت میں نہ ہوتا تو اسلام پر ناقابل عمل کا اعتراض لگایا جاتا اور اس کے پیروکاروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا یا اسلام کی بجائے کسی اور دین کی تعلیمات کی پیروی کرنے پر مجبور ہوتے اور یہ تصور اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کے خلاف ہوتا۔ یہ اجتہادات فقہی امور سے متعلق ہیں۔ عقائد اس اجتہاد کے دائرہ کار میں نہیں آتے کیونکہ ان میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی مگر ان عقائد کو عصری تقاضوں کے مطابق پیش کرنا تدبر و تفکر کا تقاضا ہے۔ اس لیے ان عقائد کو نئی تعبیرات و تشریحات کے مطابق پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام علم العقائد اور علم الکلام کی تشکیل جدید ہے۔

اہل علم نے علم عقائد کو علم کلام کہنے کی وجہ تسمیہ کی کئی وجوہات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سب بعض حسب ذیل ہیں: (۱)

ا۔ عقائد میں سے کلام الہٰی کی نسبت سخت اختلاف اور بحث ومباحثہ کے باعث اس علم کا نام علم الکلام پڑ گیا۔

۲۔ فلسفہ و منطق کے دور میں عقائد پر اعتراضات کے جوابات کے لئے اس علم نے لوگوں کو مخالفین کی زبان میں کلام کی طاقت و قدرت عطا کی۔ اس لیے اس کو علم کلام سے تعبیر کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سید شریف جرجانی علم کلام کی تعریف یوں کرتے ہیں: علم یبحث فیه عن ذات الله تعالیٰ و صفاته و احوال الممکنات من المبدأ والمعاد علی قانون الاسلام ۔ (۲)

۱۔ ایسا علم جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آخرت سے متعلق امور پر بحث ہو۔

۲۔ هوا لعلم بالقواعد الشرعیة الاعتقادیة المکتسبة عن الادلة۔ (۳) عقائد کے متعلق قواعد شرعیہ کے علم کو کہتے ہیں۔

منطق و فلسفہ کے دور میں خاص انداز میں نتائج اخذ کرنا بالکل درست تھا مگر اب یہ وقت گزر چکا۔ اب انہی آئمہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عصری اور سائنسی علوم کے مطابق دعوتِ حق کا فریضہ انجام دینے اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جوابات کے لئے جدید علم کلام کی ضرورت ہے۔ اس مقالے میں عقائد کے ان پہلوؤں کا تذکرہ ہو گا جو علم کلام اور علم عقائد کی تشکیل جدید کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ یہ عقائد حسب ذیل ہیں:

(i) ذات باری تعالیٰ (ii) صفت خالقیت (iii) قرآن۔ کلام الٰہی

(iv) اثبات وحی و نبوت (v) روح انسانی (vi) اثبات آخرت

ذیل میں ان عقائد میں سے ہر ایک پر اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

۱۔ ذات باری تعالیٰ: علم کلام کا بنیادی نقطہ ذات باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ ہیں۔ اس لیے آج کے دور میں کائنات میں موجودہ حقائق کے ذریعے ذات باری تعالیٰ کو ثابت کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا ثبوت اس کی وہ مخلوق ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ انسان اور کائنات کے بارے میں علم جدید اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس دنیا کے خالق ومالک کا وجود ہے۔

نظام کائنات: اس وسیع و عریض کائنات کی ساخت، ارتقاء اور پھیلاؤ کے بارے میں ذرا غور و فکر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجرامِ فلکی سمیت زمین، سورج، ستارے اور سیارے کائنات میں محض چھوٹے چھوٹے نقطوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارا سورج ایک ایسی کہکشاں کا ستارہ ہے جو اس جیسے اور اس سے بڑے ایک کھرب ستاروں پر مشتمل ہے اور اس کائنات میں اس جیسی اربوں کہکشائیں مزید بھی پائی جاتی ہیں۔

اس وسیع و عریض کائنات میں بے شمار ستارے ہیں۔ ان میں سے کچھ ستارے ایسے ہیں جو زمین سے کسی قدر بڑے ہیں مگر بیشتر ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کے اندر بے شمار زمینیں رکھی جاسکتی ہیں۔ آسمان گرد وغبار سے پاک ہو تو ہزاروں ستارے خالی آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں لیکن معمولی دور بین کی مدد سے یہ تعداد کئی لاکھ سے تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ ساری کائنات ستاروں کے بے شمار جھرمٹوں کی صورت میں ہے۔ یہ سب مسلسل حرکت میں ہیں۔ سب سے قریبی حرکت جس سے ہم واقف ہیں وہ

چاند ہے۔ چاند زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور رہ کر اس کے گرد مسلسل اس طرح گھوم رہا ہے کہ ہر ۲۹٫۳۰ دن میں زمین کے گرد اس کا ایک چکر پورا ہو جاتا ہے۔

علمائے فلکیات کے اندازے کے مطابق کائنات پانچ سو ملین کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین ستارے پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام ستارے حیرت انگیز طور پر باقاعدہ اور نظم و ضبط کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ نہ ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ اس نظم وضبط کو دیکھ کر عقل اعتراف کرتی ہے کہ کوئی معمولی ہستی اس نظام کو قائم رکھنے والی ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ اگر دو یا دو سے زائد خدا ہوتے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
لَوْ كانَ فِيهِما آلِهَةٌ إِلاَّ اللَّهُ لَفَسَدَتا ۔ (۴)

انسان کا عصبی نظام:

ٹیلی فون کی لائن میں تاروں کا پیچیدہ نظام دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے مگر یہاں ایک اور مواصلاتی نظام ہے جو اس سے کہیں زیادہ وسیع اور اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ یہ انسان کا عصبی نظام ہے جو قدرت نے قائم کر رکھا ہے۔ اس مواصلاتی نظام پر دن رات کروڑوں خبریں ادھر سے اُدھر دوڑتی رہتی ہیں جو دل کو بتاتی ہیں کہ وہ کب دھڑکے اور مختلف اعضاء کو حکم دیتی ہیں۔ اگر جسم کے اندر یہ مواصلاتی نظام نہ ہو تو ہمارا وجود منتشر چیزوں کا مجموعہ بن جائے جن میں سے ہر ایک الگ الگ اپنے راستے پر چل رہا ہو۔ یہ نظام وجود باری پر دلیل ہے کہ از خود اس طرح کا نظام ممکن ہی نہیں۔ سو آج منطقی قضایا

کو ملا کر نتیجہ نکالنے کی بجائے اس کائنات کے حقائق کے ذریعے ذات باری تعالیٰ کے اثبات کی ضرورت ہے۔ اس موضوع کو سمجھنے کے لیے کئی ایک مفید کتب تحریر کی گئی ہیں۔(۵)

۲۔ صفت خالقیت: اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے ضمن میں تخلیق انسانی اور تخلیق کائنات پر بحث کی جائے گی۔

(i) تخلیق انسانی: اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ صفات باری تعالیٰ کے حوالے سے گفتگو بھی علم کلام میں شامل ہے۔ آج کے جدید دور میں اس کا بیان کچھ مختلف انداز سے ہو گا کیونکہ تخلیق انسانی کے حوالے سے مختلف نظریات کا جائزہ قرآن اور سائنس کی روشنی میں لیا جائے گا۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء: کئی لوگوں نے تخلیق انسانی کے حوالے سے نظریات پیش کیے ہیں۔ ان میں ڈارون نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان جانور کی ایک ارتقائی شکل ہے۔(۶)

حقیقت حال: قرآن حکیم نے بعض مراحل

(Biological, anatomical, biochemical genetic similarities)
کے حوالے سے حیوانات کے ساتھ انسان کی مشابہت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ وَما مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا طائِرٍ يَطِيرُ بِجَناحَيْهِ إِلاَّ أُمَمٌ أَمْثالُكُمْ ۔ (۷)"اور کوئی بھی چلنے پھرنے والا جانور اور پرندہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہو (ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ بعض صفات میں) وہ سب تمہارے ہی

مماثل طبقات ہیں"۔ مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ہرگز درست نہیں ہے کہ انسان حیوان کی ہی ارتقائی شکل ہے۔

تخلیق انسانی کے ارتقائی مراحل: ان نظریات کے برعکس انسان کی تخلیق کسی طبقہ حیوانات سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی پیدائش کے طبیعاتی مراحل ہیں جن کو سائنسدان آج تسلیم کرتے ہیں۔ جسم انسانی کے کیمیائی تجزیہ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ انسان کے جسم میں ان عناصر میں سے ایک مناسب مقدار موجود ہے۔ اگر ان میں سے بعض میں کمی ہو تو انسان کے جسمانی اعضاء ٹھیک طرح سے کام نہیں کرتے۔ قرآن حکیم نے ان مراحل کو کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک مقام پر بیان کردہ مراحل ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

اور تحقیق ہم نے انسان مٹی کے خلاصہ بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو ایک محفوظ مقام (رحم) میں رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو لٹکتی ہوئی چیز بنادیا پھر ہم نے اس ہڈی پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنادیا سو اللہ بڑی شان والا ہے جو بہترین خالق ہے۔(۸)

سو ان مراحل میں انسان کے ارتقاء کو مکمل طور پر بیان کر دیا گیا ہے اس لیے انسان کے ارتقاء کی اس سے ہٹ کر توجیہہ قابل قبول نہیں ہے۔

(ii) تخلیق کائنات: اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے تحت کائنات کے حوالے سے کئی نظریات ہیں جیسے کائنات کا ازلی ہونا، اس کا اتفاقی طور پر پیدا ہونا، اس کا جامد ہونا۔ یہ سب تصورات

حقیقت سے بہت دور ہیں۔ آج کے دور میں ان امور پر سائنسی حقائق کے حوالے سے بحث کی ضرورت ہے۔

آغاز کائنات۔ ازلی ہونے کی نفی: ارتقائے کائنات کے دوران کائنات کی بدلی ہوئی حالتوں میں سے بعض کا ذکر قرآن حکیم میں صاف طور پر موجود ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا جب ساری کائنات دھوئیں کے ایک بہت بڑے بادل کی صورت میں تھی۔ زمین اور آسمان کے ستارے، چاند اور سورج ایک دوسرے سے ممتاز نہ تھے۔ پھر زمین کو آسمان سے الگ کیا گیا اور اس کے بعد زمین پر سمندروں کے پانی میں تمام انواع حیوانات کی زندگی کا آغاز ہوا۔ قرآن حکیم میں اس مرحلے کا ذکر اس طرح ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّماواتِ وَالْأَرْضَ كانَتا رَتْقاً فَفَتَقْناهُما وَجَعَلْنا مِنَ الْماءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔(۹)

کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے۔ پس ہم نے انہیں پھاڑ کر جدا کر دیا اور ہم نے (زمین پر) ہر زندہ چیز (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی۔

کائنات کے بارے میں جدید ترین تصور یہی ہے کہ کائنات ابتدا میں ایک سمٹی ہوئی حالت میں تھی اور اس کے بعد پھیلنا شروع ہوئی۔ سائنسدان مشاہدات کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ابتداء

میں کائنات کا مادہ جمود اور سکون کی حالت میں تھا۔ ایک بہت ہی سخت سکڑی ہوئی انتہائی گرم گیس تھی۔ تقریباً پچاس کھرب سال پہلے ایک زبردست دھماکہ سے وہ پھٹ پڑی اور یہ کائنات وجود میں آگئی۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کائنات ازلی اور قدیم نہیں ہے۔

وسعت کائنات کا تصور: بیسویں صدی کے اوائل تک کائنات کے جامد اور غیر متحرک ہونے کا نظریہ تھا۔ وسعت کائنات کے تصور کو سب سے پہلے الیگزینڈر فرائد مین نے ۱۹۲۲ء میں مفروضے کی شکل میں پیش کیا اور ۱۹۶۵ء میں دو امریکی ماہرین طبیعات نے اس مفروضے کو باقاعدہ ثابت کیا۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو چودہ سو سال پہلے بیان فرما دیا کہ کائنات مسلسل پھیل اور بڑھ رہی ہے۔ قرآن نے اس سائنسی حقیقت کو کئی جگہ بیان فرمایا ہے:

۱۔ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشاءُ (۱۰) وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا جاتا ہے۔

۲۔ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۔ (۱۱) اور بلاشبہ ہم (کائنات کو) پھیلاتے چلے جارہے ہیں۔

اور پھر قرآن حکیم وسعت پذیری کے عمل کو تخلیق کائنات کا تسلسل قرار دیتا ہے۔

۳۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُون ۔ (۱۲) اور وہ پیدا فرماتا جارہا ہے جسے تم نہیں جانتے۔

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ مسلمہ حقائق کی بنا پر انسان اور کائنات کی تخلیق کے حوالے سے قرآن و سنت کا درست تصور واضح کیا جائے نیز وسعت کائنات کا قرآنی نظریہ بیان کیا جائے اور اس حوالے سے غلط تصورات و نظریات کو رد کیا جائے۔

۳۔ قرآن حکیم۔ کلام الٰہی: قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جس کے نظیر و مثال ممکن نہیں ہے۔ قرآن حکیم علمی ترقی کے دور سے بہت پہلے نازل ہوا مگر آج کے سائنسی دور میں جدید تحقیقات قرآن کی کسی بات کو غلط ثابت نہیں کر سکیں۔ اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ایسی بات ناممکن تھی۔

سطحی تناؤ کا قانون: قرآن حکیم نے دو مقامات پر پانی کا ایک خاص قانون بیان کیا گیا ہے:

۱۔ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُراتٌ وهذا مِلْحٌ أُجاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُما بَرْزَخاً وَحِجْراً مَحْجُوراً ۔ (۱۳) اور وہی ہے جس نے دو دریا ملائے ایک کا پانی میٹھا خوش گوار ہے اور ایک کا کھاری تلخ اور دونوں کے مابین ایک آڑ اور رکاوٹ رکھ دی۔

۲۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيان ()بَيْنَهُما بَرْزَخٌ لا يَبْغِيان ۔ (۱۴)
اس نے ملتے ہوئے دو دریاؤں کے درمیان ایک آڑ رکھ دی جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتے۔

ان آیات میں جس مظہر فطرت کا ذکر ہے وہ قدیم ترین زمانے سے انسان کو معلوم تھا وہ یہ کہ دو دریاؤں کے پانی جب باہم مل کر بہتے ہیں تو وہ ایک دوسرے میں شامل نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر

چٹاگانگ سے برماتک دو دریا مل کر بہتے ہیں اور اس پورے سفر میں دونوں کا پانی بالکل الگ الگ نظر آتا ہے۔ دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔

یہ بات قدیم ترین زمانے کے انسان کے مشاہدے میں آچکی ہے مگر یہ واقعہ کس قانون فطرت کے تحت واقع ہوتا ہے۔ یہ ابھی حال ہی میں دریافت کیا گیا۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ رقیق اشیاء میں سطحی تناؤ(Surface tension) کا ایک خاص قانون ہے یہی دونوں چشموں کے پانی الگ رکھتا ہے چونکہ دونوں سیالوں کا تناؤ مختلف ہوتا ہے اس لیے وہ دونوں کو اپنی اپنی حد میں روکے رہتا ہے۔ آج کل اس قانون کو سمجھ کر جدید دنیا نے بے شمار فوائد حاصل کیے ہیں۔ قرآن نے برزخ لا یبغیان کے الفاظ بول کر اس واقعہ کی ایسی تعبیر کی جو قدیم مشاہدے کے اعتبار سے ٹکرانے والی نہیں تھی اور اب جدید تحقیقات پر بھی پوری طرح حاوی ہے کہ برزخ سے مراد سطح کا تناؤ ہے۔ (۱۵)

اجرام فلکی اور بالائی کشش ثقل: اجرام فلکی کے حوالے سے قرآن حکیم میں ہے: اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۔ (۱۶) اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو بلند کیا بغیر ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو۔

دور قدیم کے انسان کے لئے یہ الفاظ اس کے ظاہری مشاہدے کے عین مطابق تھے کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے سر کے اوپر سورج، چاند اور ستاروں کی ایک دنیا کھڑی ہے مگر کہیں اس کا پایہ نظر نہیں آتا اور اب جدید ترین معلومات رکھنے والے انسان کے لئے بھی اس میں مکمل معنویت موجود ہے

کیونکہ جدید ترین مشاہدہ بتاتا ہے کہ اجرام سماوی ایک لامحدود خلا میں بغیر کسی سہارے کے قائم ہیں اور اسے کشش ثقل بالائی فضا میں سنبھالے ہوئے ہے۔ (۱۷)

اجرام سماوی کی گردش: قرآن حکیم فرماتا ہے: كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۔ (۱۸)

سب کے سب آسمان میں تیرتے ہیں۔

دور قدیم میں بھی انسان اجرام سماوی کو حرکت کرتا ہوا دیکھتا تھا اس لئے ان الفاظ سے وحشت نہیں ہوتی مگر جدید معلومات نے ان الفاظ کو اور زیادہ بامعنی بنادیا ہے۔ خلا میں اجرام سماوی کی گردش کے لئے تیرنے سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہوسکتی۔ سو آج کے دور میں قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کے اثبات کے لئے اس انداز کی بحث کی ضرورت ہے۔

4۔ **اثبات وحی ونبوت:** علم کلام میں ذات وصفات باری تعالیٰ کے بعد اہم ترین عقیدہ رسالت کا ہے اور اس کا انحصار وحی کے اثبات پر ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے کسی معزز ہستی پر اپنا کلام اتارتا ہے اور اس کے ذریعے سے تمام انسانوں کو اپنی مرضی سے باخبر کرتا ہے۔ اب چونکہ بظاہر ہمیں خدا اور صاحب وحی کے درمیان کوئی "تار" نظر نہیں آتا جس پر خدا کا پیغام سفر کرکے انسانوں تک پہنچتا ہے۔ اس کے لئے بہت سے لوگ اس دعوے کے درست ہونے سے انکار کردیتے حالانکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم اپنے معلوم حقائق کی مدد سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

دور سے سننے والے آلات: انسان نے آج ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں جن سے وہ ایک مکھی کے چلنے کی آواز میلوں سے اس طرح سن سکتے ہیں جیسے وہ اس کے کان کے پردہ پر رینگ رہی ہو حتیٰ کہ کائناتی شعاعوں(Cosmic rays) کے تصادم تک کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔اس طرح کے آلات اب کثرت سے انسان کو حاصل ہو چکے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ اخذ و سماعت کی ایسی صورتیں بھی ممکن ہیں جو معمولی حواس کے ذریعے ایک شخص کے لئے ناممکن اور ناقابل قیاس ہوں اور ان میں کئی ایسے آلات ہیں جن میں کوئی تار وغیرہ بھی نہیں ہوتا جیسے وائرلیس اور موبائل ہے۔الفاظ قرآن کے وحی ہونے کے تصور کو موبائل کے ذریعے "پیغام" کے تصور سے سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

ٹیلی پیتھی: ایک عامل کسی آواز اور خارجی ذریعہ کے بغیر اپنے معمول پر توجہ ڈالتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اس پر مصنوعی نیند طاری کر سکتا ہے۔اس کو ہنسا یا رلا سکتا ہے۔اس کے ذہن میں مخصوص خیالات القاء کر سکتا ہے۔ یہ ایک عمل ہے جس میں نہ کوئی ظاہری آلہ استعمال ہوتا ہے اور نہ عامل اور معمول کے سوا کوئی شخص اسے محسوس کرتا۔

پھر اسی نوعیت کا واقعہ بندے اور خدا کے درمیان کیوں ہمارے لیے ناقابل تصور ہو خدا کو مانے اور انسانی زندگی میں اس قوت کا تجربہ کر لینے کے بعد ہمارے لیے وحی سے انکار کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ بندے اور خدا کے مابین کسی واسطہ کے بغیر کس طرح الفاظ اور معانی کا تعلق قائم ہوتا ہے اور ایک کے خیالات دوسرے کو بعینہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ پیغام رسانی جو بندوں کے درمیان ایک معلوم اور ثابت واقعہ ہے یہ ایک ایسا زینہ ہے جس سے ہم اس واسطہ کو سمجھ

سکتے ہیں جو بندے اور خدا کے درمیان ہوتا ہے اور جس کی کامل اور متعین صورت کو مذہب کی اصطلاح میں "وحی" کہا جاتا ہے۔ (۱۹) مذکورہ بحث میں اثبات وحی کا تذکرہ ہوا اور جس ہستی پر وحی اترے وہ نبی و رسول ہے اور یہی نبوت و رسالت کی صداقت کے درج ذیل دو معیارات میں ایک اہم معیار ہے۔ (۲۰)

۱۔ وہ انسان غیر معمولی طور پر اخلاق و کردار کا حامل ہو۔

۲۔ اس شخص کا کلام اور اس کا پیغام ایسے پہلوؤں سے بھرا ہوا ہو جو عام انسان کے بس سے باہر ہو۔

امام غزالیؒ نبوت کے حوالے سے فرماتے ہیں۔ "نبوت پر ایمان لانے کا معنیٰ ایک ایسے درجے کا اثبات ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس میں وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں جس سے عقل بالکل محروم ہے"۔ (۲۱)

عقل سے بالاتر جو امور انبیاء کو حاصل ہوتے ہیں اس کا ذریعہ محض اور محض وحی ہے۔

امام غزالیؒ اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں۔ "انبیاء کا یہی حال ہے کہ ان کے دل میں دقیق باتیں خود بخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہو جاتی ہیں اور اس کو الہام کہتے ہیں"۔ (۲۲)

۵۔ روح انسانی (نفس انسانی، انانیت): روح کی حقیقت اور اس کا وجود، جسم کے فاسد ہونے کے بعد اس کا باقی رہنا، انتہائی دقیق اور مشکل مسائل میں ہے۔ علامہ اقبال اس کو خودی کے حوالے سے اپنے اشعار کا موضوع بناتے ہیں۔ انہوں نے اس امر کا افسوس اور حیرت کا اظہار کیا کہ روح انسانی میں اپنی خاص دلچسپی کے باوجود بہت کم مسلمان حکماء ہمیں ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے اس موضوع پر سنجیدگی سے بات کی۔ ان کے نزدیک منصور حلاج کا نعرہ "انا الحق" در حقیقت انسانی انا کی حقیقت کا برملا اظہار تھا جسے اس دور کے متکلمین نے نا سمجھی کی بنا پر کفر و الحاد قرار دیا۔ وہ منصور کے اعلان میں پوشیدہ حکمت پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ (۲۳)

خودی۔ مستحکم و قوی: اقبال خودی کا ایک ایسا مقام بھی بیان کرتے ہیں جہاں پہنچ کر وہ ایسی مستحکم و قوی ہو جاتی ہے کہ کوئی ہیجان اس کو درہم برہم نہیں کر سکتا۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی ‌ ‌ ‌ خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش ‌ ‌ ‌ خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

روح (خودی)۔ مکان کی بندشوں سے آزاد: امام ابن قیم اپنی کتاب "الروح" میں ارواح مومنین کے مقام کے حوالے حضرت سلمان فارسیؓ کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

تذھب فی الارض حیثً شاء ت۔ (۲۴) ارواح زمین میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کا موقف یوں درج کرتے ہیں:

ان الروح مرسلۃ تذھب حیث شاء ت ان الروح مرسل۔ (۲۵) بلاشبہ روح (مکان کی بندش سے) آزاد ہے جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔

علامہ اقبال اپنے شعرہ آفاق خطبات میں یہی بات خودی کے حوالے سے یوں بیان فرماتے ہیں۔

Indeed, the ego can think of more than one space-order. The space of waking consciousness and dream- space have no mutual relation. They do not interfere with or overlap each other. For the body there can be but a single space. The ego, therefore, is not space-bound in the sense in which the body is space- bound. (26)

سید نذیر نیازی اور محمد عثمان اس کا ترجمہ یوں بیان کرتے ہیں:

بلکہ خودی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ایسے کئی نظامات مکانی کا تصور کر سکے۔ پھر عالم بیداری میں ہمارا شعور مکان کچھ اور ہوتا ہے، عالم خواب میں کچھ اور۔ اس لیے کہ جسم کا تعلق تو جب بھی ہوگا ایک ہی مکان سے ہوگا، دو سے نہیں ہو سکتا، لہٰذا خودی کو ان معنوں میں بھی مکاناً محدود ٹھہرانا جائز نہیں ہے، جن میں جسم کو ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ (۲۷) اس سے معلوم

ہوا کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک خودی (روح) کی یہ خصوصیت ہے کہ اس پر مکان کی ان بندشوں کا اطلاق نہیں ہوتا جن کی اشیاء اور اجسام پابند ہیں۔

کسی زمانے میں روح انسانی کے مکان کی بندشوں سے آزاد ہونے کا تصور سمجھنا خاصا مشکل تھا مگر آج کے دور میں ذرائع ابلاغ میں مواصلاتی رابطہ کے تصور سے اس کا سمجھنا خاصا آسان ہو گیا ہے کہ یہ رابطہ ایک میچ، تقریب یا کسی اور واقعہ کو براہ راست (Live) بیک وقت مختلف مقامات پر دیکھے جانے کا ذریعہ و سبب بنتا ہے۔

اس تصور کے بعد احادیث مبارکہ میں نیک ارواح کے علیین میں اور بری ارواح کا سجیین میں جانے کا ذکر اور پھر قبر میں سوال و جواب اور قیامت تک ثواب و عذاب کا تصور۔(۲۸) علاوہ ازیں قبرستان میں جانے کے وقت صحیح مسلم کے مطابق السلام علیکم یا اھل الدیار کے الفاظ ادا کرنے کا حکم بھی ہے۔ (۲۹) تو روح کا تعلق قبر سے ہے یا علیین سے۔ اگر روح کے مکان سے آزاد ہونے کا تصور ہمارے سامنے واضح ہو تو ان احادیث کے مابین کوئی تضاد (Contradiction) نہیں رہتا۔

روح انسانی کی بقاء و دوام: علامہ اقبال "بانگ درا" میں "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کے عنوان سے موت کی حقیقت سے بحث کرتے ہوئے روح انسانی کی بقاء پر متعدد دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں — ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدۂ قدرت میں ہے — ذوق حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے۔

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات — عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظام کائنات

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھ اجل کچھ بھی نہیں — جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں (۳۰)

اللہ تعالیٰ کے فرمان: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى (۳۱) کے مطابق ارواح کا وجود ہماری دنیاوی زندگی سے پہلے ثابت ہوتا ہے اور ہماری اس زندگی کے بعد میں قائم ہے۔ عذاب قبر کا تصور بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ روح کا وجود قائم ہے۔ وگرنہ عذاب قبر یا ثواب قبر کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔

علامہ شبلی نعمانی کے بقول آج کی تحقیقات سے ثابت ہے کہ تیس برس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ پہلے تمام اجزاء بدل جاتے ہیں۔ ایک نیا جسم ہونے کے باوجود وہ کونسی چیز ہے جو ہر حال میں قائم ہے اور جس کی وجہ سے ہی زید زید ہے وہ روح انسانی اور نفس انسانی ہے۔(۳۲) سو انسانی خلیات کی تبدیلی کے تصور سے روح انسانی اور اس کے بقاء کا تصور واضح ہوتا ہے۔

آج کے مادی دور میں ہماری سوچ پر روحانیت کی بجائے مادیت غالب آچکی ہے اور جو چیز ہمیں وجودی صورت میں نظر نہ آئے اس کا انکار کر دیتے ہیں یا اس کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو چیز نظر نہ آئے اس کا انکار درست نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود، ملائکہ اور جنات کا وجود

تمام مسلمان ان چیزوں پر بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں۔ آج ہم دنیاوی زندگی میں بھی بہت سے حقائق کو تسلیم کرتے ہیں جن کا وجود ہم نہیں دیکھ رہے ہوتے جیسے پھول میں خوشبو کا وجود۔ اس طرح مواصلاتی رابطہ کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے وجود کو نہیں دیکھتے۔ اس لئے روح کو دیکھے بغیر تسلیم کیا جاسکتا ہے اور اس پر ایمان بھی رکھا جاسکتا ہے۔

۵۔ اثبات آخرت:

علم کلام کے مسائل میں سے اہم ترین مسئلہ آخرت کا عقیدہ ہے۔ اس دنیا میں قیامت کے حوالے سے متنبہ کرنے کے لئے زلزلہ کا تصور ہے جو ہمیں امکان قیامت کا تصور یاد دلاتا ہے۔ آج کے دور میں جدید تحقیقات نے تصور آخرت کو سمجھنا انتہائی آسان کر دیا ہے۔ اس حوالے سے بعض امور کا ذکر حسب ذیل ہے۔

جنت اور اس کی وسعت کا تصور: قرآن حکیم اور احادیث میں جنت کے وجود کا ذکر ہے جیسے حضرت آدم و حوا علیہا السلام کے جنت میں دخول و ہبوط کا ذکر ہے اور واقعہ معراج میں دوزخ و جنت کے مشاہدہ کا تذکرہ ہے۔ قرآن حکیم نے جنت کی وسعت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۔ (۳۳) اور جنت کا عرض زمین و آسمان کے برابر ہے۔

وسعت کائنات کو سائنسی حقیقت کے طور پر ماننے سے پہلے وسعت جنت کے تصور کو سمجھنا بڑا مشکل امر تھا۔ پہلے جنت اور قرآن کے اس بیان کے حوالے سے یہ بات ہو سکتی تھی کہ اگر جنت کا

عرض یا چوڑائی اتنی ہے تو اس کا طول کس قدر ہوتا، دوزخ کہاں ہوگی اور بقیہ کائنات کا وجود کہاں ہوگا۔ اب اس وسیع کائنات جس میں تمام اجرام فلکی سمیت زمین، سورج محض چھوٹے چھوٹے نقطوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور پھر کائنات مسلسل بڑھ رہی ہے سو اس وسیع و عریض کائنات اور اس کی وسعت پذیری کے تصور کی وجہ سے جنت کی وسعت کا تصور سمجھنا خاصا آسان ہو گیا ہے۔

انسانی اعمال کا ریکارڈ: آخرت کے عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اپنی عمر گزارنے کے بعد اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ بعض لوگ اس کے منکر تھے ان کے انکار کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کے متعلق ریکارڈ قیامت کے روز پیش ہو مگر آج کی تحقیقات سے یہ بات بڑی عام فہم ہو گئی ہے۔

۱۔ لہروں کے حوالے سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پیدا ہونے کے بعد مستقل طور پر فضا میں باقی رہتی ہیں اور یہ ممکن ہے کہ کسی بھی وقت انہیں دہرایا جاسکے۔

۲۔ ہر چیز خواہ اندھیرے میں ہو یا اجالے میں اپنے اندر سے مسلسل حرارت خارج کرتی رہتی ہے۔ یہ حرارت چیزوں کے ابعاد و اشکال کے اعتبار سے نکلتی ہے۔ ایسے کیمرے ہیں جن سے ان حرارتوں کو اخذ کر کے ان کی تصویر تیار ہو سکتی ہے۔ (۳۴)

۳۔ انسانی آواز کو ریکارڈ کرنے والے آلات تو انتہائی عام ہیں۔

۴۔ ویڈیو سے انسان کی آواز کے ساتھ اس کی تصویر اور حرکات بھی ریکارڈ ہو جاتی ہیں۔

۵۔ سی ڈیز، ڈی وی ڈیز اور USP فلیشز پر بہت سی تفصیلات جمع کی جاسکتی ہیں۔

اس سے پہلے یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ اتنی تفصیلات کے لئے بڑے بڑے رجسٹروں کی ضرورت پڑے گی اور وہ انسان کے ہاتھ میں کیسے پکڑائے جائیں گے؟ ان ایجادات سے یہ تمام اشکالات ختم ہو جاتے ہیں کہ انسانی کاوش سے چھوٹی سی اشیاء میں اتنی تفصیلات جمع کرنا ممکن ہے تو قدرت الہیہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ اسی طرح قیامت کے روز انسان کے ہاتھ، پاؤں اور جلد کا اس کے خلاف گواہی دینے کے قرآنی بیان کو سمجھنا بڑا آسان ہو گیا ہے کیونکہ اگر انسان کا اپنے ہاتھ سے بنایا ہوا آلہ بعینہ بیان کر سکتا ہے تو اللہ کی زات کی قدرت بہت بلند ہے۔

مذکورہ بالا اشیاء کے ذکر سے یہ بات ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی کی فلم تیار ہو رہی ہے۔ قیامت کے روز جب اس کے سامنے اس کی زندگی کے تمام حالات انسان کے سامنے آئیں گے تو وہ دیکھ کر پکار اُٹھے گا۔ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۔ (۳۵) یہ کیسا دفتر ہے جس نے چھوٹا بڑا کوئی کام بھی درج کیے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔

نتائج بحث

اس مضمون کے اہم نتائج بحث حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نظام کائنات، انسانی کے عصبی نظام، انسانی تخلیق کے مراحل، کائنات کا عارضی ہونا اور وسعت کائنات کے تصور کو سائنسی حوالے سے بیان کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

بیان الحکمہ [تحقیقی مجلّہ]

۲۔ اس طرح قرآن حکیم کلام الٰہی ہے اور اس میں بیان کردہ اصول وضوابط اٹل ہیں۔ سطحی تناؤ، کشش ثقل اور اجرام فلکی کی گردش جیسے حقائق اس کے کلام الٰہی ہونے کا بین ثبوت ہیں کہ چودہ سو سال قبل سائنسی ایجادات سے قبل ان حقائق کو بیان کر دیا گیا۔

۳۔ دور سے سننے والے آلات کے ذریعے وحی کے تصور کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ موبائل کے ذریعے پیغام کے تصور نے الفاظ قرآن کے وحی ہونے کے تصور کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔

۴۔ روح انسانی کے اعلیٰ علیین یا سجّین میں جانے کا ذکر، قبر میں سوال وجواب، عذاب وثواب کا تصور پھر خطاب کر کے اہل قبور کو سلام کرنے کا حکم۔ اگر روح کے مکان کی بندشوں سے آزاد ہونے کا تصور واضح ہو تو ان احکامات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جیسے آج ایک تقریب یا کسی شخص کو براہ راست دنیا کے مختلف مقامات پر بیک وقت دیکھتے ہیں۔

۵۔ آخرت کے حوالے کئی تصورات کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ وسعت کائنات کے سائنسی تصورات کو سمجھنے کے بعد جنت کی وسعت کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ اسی طرح آخرت میں انسانی اعمال کے ریکارڈ کو موجودہ دور کے آڈیو، وڈیو، ڈی وی ڈیز اور USP فلیشز کے ذریعے سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

خلاصہ: یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عصری اور سائنسی علوم کی روشنی میں عقائد کے بعض پہلوؤں کی تعبیرات کر کے علم کلام کی تشکیلِ جدید ممکن ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبداللہ قادری اشرفی، **التعریفات**، کتب خانہ اکرمیہ، ۹-۷۸ ; علامہ شبلی نعمانی، **علم الکلام اور الکلام**، دوست ایسوسی ایٹس لاہور، ۴۱۔

۲۔ سیّد شریف جرجانی، التعریفات، انتشارات ناصر خسرو، تہران، ایران، ۸۰۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ القرآن، ۲۱: ۲۲

۵۔ (i) وحیدالدین خان، **مذہب اور جدید چیلنج**، دارالتذکیر، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

(ii) ڈاکٹر غلام جیلانی برق، **عظیم کائنات کا عظیم خدا**، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

(iii) ڈاکٹر رفیع الدین، **قرآن اور علم جدید**، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس، لاہور، ۱۹۷۶ء۔

(iv) علامہ شبلی نعمانی، **علم الکلام اور الکلام**، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار لاہور۔

(v) محمد عثمان، **فکر اسلامی کی تشکیل نو**، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

(vi) ڈاکٹر محمد اقبال، **تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ**، ترجمہ سیّد نذیر نیازی، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، طبع چہارم ۱۹۹۴ء۔

(vii) Allama Muhammad Iqbal, The reconstruction of Religious thought in Islam, Iqbal Acadomy Lahore, 1989.

(viii) ابن قیم، محمد بن ابی بکر، **الروح**، مکتبۃ المتبنی القاہرہ (مصر)۔

۶۔ Sharles Darwan, the origin of species, London: John Murray, Albmarle street, 1859.

۷۔ القرآن، ۶: ۳۸

۸۔ القرآن، ۲۳: ۱۴۔۱۲

۹۔ القرآن، ۳۰:۲۱

۱۰۔ القرآن، ۳۵:۱

۱۱۔ القرآن، ۴۷:۵۱

۱۲۔ القرآن، ۸:۱۶

۱۳۔ القرآن، 53:25

۱۴۔ القرآن، ۵۵-۱۹: ۲۰

۱۵۔ وحیدالدین، **مذہب اور جدید چیلنج**: ۱۷۰

۱۶۔ القرآن، ۲:۱۳

۱۷۔ وحیدالدین، **مذہب اور جدید چیلنج**: ۱۷

۱۸۔ القرآن: ۳۳:۲۱

۱۹۔ وحیدالدین، **مذہب اور جدید چیلنج**: ۱۲۹-۳۰

۲۰۔ ایضاً: ۱۳۴

۲۱۔ شبلی نعمانی، **علم الکلام**: ۲۶۳

شبلی نعمانی، **الغزالی**، انجمن حمایت اسلام، برانڈرتھ لاہور: ۱۰۰

ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (505ء)، **المنقذ من الضلال**، مترجم، خلیل خان برکاتی بعنوان روشنی کی طرف، حامد اینڈ کمپنی لاہور، ۸۳-۸۵۔

۲۲۔ الغزالی، **احیاء علوم الدین**، مترجم محمد حسن نانوتوی، بعنوان **مذاق العارفین**، قرآن اکیڈمی لاہور، ۱:۱۱۶۔ شبلی نعمانی، **الغزالی**: ۱۰۲۔ شبلی نعمانی، **علم الکلام**: ۲۶۰

۲۳۔ محمد عثمان، **فکر اسلامی کی تشکیل نو**:۱۲۱-۹۰ ; سید نذیر نیازی، **تشکیل جدید الہیات اسلامیہ**: ۵:۱۴۴

۲۴۔ ابن قیم، **الروح**: ۱۲۷

۲۵۔ ایضاً: ۱۲۶

۲۶۔ The reconstruction of Religious thought in Islam: 79

۲۷۔ محمد عثمان، **فکر اسلامی کی تشکیل نو**: ۱۰۴ ; نیازی، **تشکیل جدید الہیات اسلامیہ**:۵:۱۴۴

۲۸۔ احمد بن حنبل (م۱۱، ۲ھ)، **المسند**، مؤسسۃ قرطبہ، مصر، حدیث: ۲۸۷، محمد بن اسماعیل البخاری (م۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، طبع دوم، ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء، حدیث:۱۸۳

۲۹۔ مسلم بن حجاج قشیری (م۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، فصل فی التسلیم علی اھل القبور، قدیمی کتب خانہ، کراچی، طبع دوم، ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء، حدیث: ۳۱۴

۳۰۔ علامہ اقبال، **بانگ درا**، پراگریسو بکس، اردو بازار لاہور:۱۷۲

۳۱۔ الاعراف، ۷:۱۷۲

۳۲۔ شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام: ۱۲۸

۳۳۔ القرآن، ۳: ۳۱ ۔ ۱۳۳

۳۴۔ وحید الدین، **مذہب اور جدید چیلنج**: ۱۰۴-۱۰۱

۳۵۔ القرآن، ۱۸:۴۹